مطبُوعات

آفتاب ہجویر | مصنّف : پیام شاہجہانپوری۔ ناشر : ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار لاہور۔ قیمت دو روپے۔

زیرِ نظر کتاب پانچویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت سیّد ابوالحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مختصر تذکرہ ہے جسے فاضل مصنّف نے کافی محنت سے مرتب فرمایا ہے۔ کتاب کو تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب سوانح پر مشتمل ہے جس میں آپ کے نام و نسب، جائے پیدائش، خاندانی حالات، تعلیم و تربیت اور سیاحت وغیرہ کے حالات جمع کیے گئے ہیں۔ دوسرے باب میں آپ کے ورودِ لاہور سے لے کر آپ کی وفات تک کے حالات جمع کیے گئے ہیں۔ اور تیسرے باب میں آپ کے افکار و نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ یہ باب مصنّف کی اپنی تصریح کے مطابق کشف المحجوب کے ان ابواب کا خلاصہ ہے جو تصوّف اور علمِ اخلاق سے متعلق ہیں۔ اگر کتابت کی غلطیوں سے صرفِ نظر کر لیا جائے تو کتاب کا معیار کتابت و طباعت اچھا ہے۔

اسلام اور اصولِ حکومت | مصنّف : علی عبدالرزاق۔ مترجم ف۔ م ماجد۔ ناشر الجدید۔ المنار مارکٹ چوک انارکلی۔ لاہور۔

زیرِ نظر کتاب اس لحاظ سے بڑی دلچسپ ہے کہ اس میں دو مختلف بلکہ متصادم طرزِ فکر بیک وقت کام کر رہے ہیں۔ کتاب کے مصنف شیخ عبدہٗ کے شاگرد، جامعہ ازہر کے فاضل اور مصر کے محاکم شرعیہ کے قاضی جناب علی عبدالرزاق ہیں جنھوں نے برسوں کی محنت کے بعد یہ کتاب الاسلام واصول الحکم مرتب فرمائی ہے۔ کتاب کی تالیف اس زمانے میں کی گئی جب ترکی میں خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مسلمانانِ عالم مادی بالادستی سے پہلے ذہنی

بالادستی کھو چکے تھے۔ مغرب کا اشراق اور استشراق ان کے قلب و نظر کو مسخر کر چکے تھے۔ جناب علی عبدالرزاق نے اپنی اس کتاب کی بنا دین و دنیا بالعموم اور دین و سیاست بالخصوص کی جدائی پر رکھی ہے۔ اس کے علاوہ وہ عرب قوم پرستی کے جذبے سے بھی سرشار ہیں۔ ان دو محرکات کے ساتھ ساتھ ایک تیسرا محرک بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پس منظر میں موجود رہا ہے اور وہ جامعہ ازہر کی تعلیم کا وہ نقش ہے جسے یورپ کا اشراق اور استشراق پوری طرح تحت الشعور سے کھرچ کر نکال نہیں سکے۔ ساری کتاب میں یہ تین محرکات واضح طور پر کارفرما نظر آتے ہیں۔ جناب مصنّف کی رائے میں خلافت ایک اسلامی ادارے کی حیثیت سے ختم کر دینی چاہیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حاکمیت دینی تھی نہ کہ سیاسی، اس لیے آپ کی نیابت یا خلافت کا نظریہ باطل ہے۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو کسی قسم کا سیاسی اقتدار سپرد نہ کیا تھا۔ آپؐ کا منصبِ نبوت آپؐ کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا۔ اور منصبِ نبوت میں آپ کسی کو وارث بنا ہی نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ آپ کے بعد جو سیادت قائم ہوئی وہ لادینی سیادت تھی۔ حضرت ابوبکر ایک "بادشاہ" تھے۔ حروبِ ردّۃ کی نوعیت خالصتہً سیاسی تھی نہ کہ دینی، اور ان کا مقصد محض اتحادِ عرب کو بچانا تھا۔ مرتدین اور مانعینِ زکوٰۃ نے تو صرف حضرت ابوبکرؓ کی سیادت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا نہ کہ کسی کفر کا ارتکاب۔ ان لوگوں کو زبردستی مرتد قرار دے دیا گیا۔ فاضل مصنّف فرماتے ہیں کہ جب کبھی ہم تاریخ کی ان روایات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں اور ان لوگوں کے بارے میں دیکھتے ہیں جنھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے بغاوت کی، جنھیں مرتدین کا لقب دیا گیا اور جن کے خلاف جنگوں کو حروبِ ردّہ کہا گیا تو ہم تاریخ کی گمراہی، تاریکی اور ظلم سے بخوبی آگاہ ہو جاتے ہیں۔

یہ کتاب جب ۱۹۲۵ء میں مصر میں شائع ہوئی تو ایک کہرام مچ گیا۔ مصر کے ایک سابق مفتئ اعظم شیخ محمد نجیب نے اس کے جواب میں حقیقۃ الاسلام و اصول الحکم لکھی۔ خود شیخ محمد عبدہٗ کے شاگردِ رشید علامہ رشید رضا نے اس کی شدید مخالفت کی۔ اور ترکی میں خلافت

کے خاتمے کے بعد خلافت کی نشأۃ ثانیہ کے لیے قولاً اور عملاً پوری جدوجہد کی - ایک طرف مسلمانوں نے تو اس کتاب کو علی العموم مذموم ٹھیرایا لیکن یورپ کے مستشرقین نے اس کی قدر پہچانی اور مسٹر چارلس ایڈمز نے انگریزی میں اس کا ترجمہ کر ڈالا (جو اس وقت شائع نہ ہو سکا) - ۲۷ برس گزرنے کے بعد جناب ف - م ماجد صاحب سابق ریسرچ اسسٹنٹ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز میکگل یونیورسٹی کینیڈا کی نظر انتخاب اس گوہر نایاب پر پڑی اور انہوں نے اپنے محترم استاد ولفرڈ - سی - اسمتھ سے جو انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ہیں اس کتاب کا ترجمہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا - پروفیسر اسمتھ نے ایک مسلمان کے قلم سے پوری امت مسلمہ کے خلاف اس قدر قیمتی دستاویز کے اردو ترجمے کے خیال کو بہت سراہا - اس طرح یہ ترجمہ عالم وجود میں آیا - ترجمہ ہو چکنے کے بعد پروفیسر اسمتھ نے ہی اس اردو ترجمے اور سابقہ انگریزی ترجمے کی اشاعت کی اجازت بنفس نفیس قاہرہ جا کر مصنف سے حاصل کی -

کتاب کے مترجم جناب ف - م - ماجد پنجاب اور علی گڑھ کے تعلیم یافتہ ایک ایسے بزرگ ہیں جو بہت سلجھا ہوا ذہن رکھتے ہیں - کتاب کے "ابتدائیہ" میں انہوں نے کتاب کے مباحث کا ایک خلاصہ پیش کرنے کے بعد مصنف کے اٹھائے ہوئے ایک ایک مسئلے کی تغلیط کی ہے اسلام میں "خلافت" کے ادارے کی حمایت کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے روز اوّل ہی سے خلافت کو ایک دینی شعار سمجھا اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے وقت کسی نے یہ اعتراض نہ اٹھایا کہ چونکہ قرآن اور سنت اس کے حامی نہیں لہٰذا ہمیں اس کی ضرورت نہیں - آنے والے زمانوں میں جمہور اسلام اور علماء اسلام نے بھی اس پر انگشت نمائی نہ کی - بلکہ بدترین اور ظالم ترین خلفاء کے دور میں کسی نے بھی محض اس سبب سے خلافت کو ختم کرنے کی تجویز پیش نہ کی - ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ تیرہ سو سال تک جس ادارے کی حمایت ہر مدرسۂ خیال سے ہوتی آئی ہو وہ یک دم غیر اسلامی کیسے ہو گیا -

اسلام کا تصوّر ان کے ذہن میں کتنا صحیح ہے اس کا اندازہ ذیل کے اقتباسات سے لگایا

جا سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "اسلام محض عبادات کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور ایسا ضابطہ جو فرد اور معاشرے کے ہر پہلو کے ارتقار کے لیے کوشاں ہو۔" آگے چل کر وہ فرماتے ہیں کہ "اسلام کا مقصد ایک ایسے معاشرے کا قیام تھا جس میں انسان کی زندگی کے تمام شعبوں میں توازن پیدا کیا جائے اور اسے کامل زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا جائے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب طرزِ حکومت اس سے ہم آہنگ ہو اور دین کا جزو ہو۔" دین و سیاست کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ یہ بات کچھ عجیب سی نظر آتی ہے کہ افراد تو مسلمان ہوں اور اپنے دین کے اصولوں پر پورے خلوص سے عمل کرنا چاہتے ہوں لیکن وہ ریاست یا حکومت کے معاملے میں اس بات پر راضی ہو جائیں کہ چلیے غیر اسلامی حکومت ہی سہی۔ اس طرح مادی ترقی تو ممکن ہے حاصل ہو جائے لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ دین سے متعارض نہیں ہو گی۔ مثال کے طور پر مادی ترقی کے لیے سُود انتہائی ضروری سمجھا جاتا ہے لیکن کیا اسے جائز کرنے سے دینی ترقی بھی حاصل ہو گی؟ اور کیا ایسی ریاست اسلامی کہی جا سکتی ہے جس میں سُود، شراب اور لحمِ خنزیر مسلمان آبادی کی مادی ترقی کے لیے ضروری شرط قرار دے دیئے جائیں؟ خلافت کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کا اظہار انہوں نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ "جس طرح ہر وہ طرزِ حکومت جو عوام کو جوابدہ ہو جمہوری اور ہر وہ طرزِ حکومت جو آزادی شکن ہو استبدادی کہلاتا ہے (خواہ ان کے داخلی عناصر کے لحاظ سے ایک ہزار ایک قسمیں بن سکتی ہوں)، اسی طرح ہر وہ طرزِ حکومت جو اسلام کے بنیادی اصولوں کا تابع ہو اور ان سے سرتابی نہ کرتا ہو خلافت کہا جا سکتا ہے۔ آگے چل کر فاضل مترجم نے بڑے زور کے ساتھ فرمایا ہے کہ "اسلام میں سیاست و مذہب کو کبھی ایک دوسرے سے جُدا نہیں سمجھا گیا۔ آج کے نظریات اور صدرِ اول کے نظریات میں ایک واضح فرق یہ ضرور ہے کہ آج مذہب کو سیاست کا غلام بلکہ آلۂ کار بنایا جاتا ہے۔ اس وقت سیاست مذہب کے تابع اور اس کا ایک جزو تھی۔ اولین مقصد دین کا قیام اور تبلیغ، اور سیاست اسے حاصل کرنے کا محض ایک ذریعہ تھی۔"

اس طرزِ فکر پر ہم فاضل مترجم کو مبارکباد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لیکن پورا "ابتدائیہ" پڑھ جانے کے باوجود ہم یہ سراغ نہ پا سکے کہ آخر ایک ایسے سلجھے ہوئے ذہن نے ایک ایسی الجھی ہوئی کتاب کو اپنی محنتوں کا محور بنانا کیوں قبول کیا؟ اس سے تو کہیں زیادہ بہتر یہ تھا کہ فاضل مترجم خود اس موضوع پر قلم اٹھاتے اور حدیثِ دل رقم کرتے۔